سال نو مبارک
وش ذوق خواتین کا خوب صورت انتخاب
دلکش
کراچی
جنوری 2008
"ادب کے ٹھیکیدار ڈائجسٹ میں چھپنے والوں کو بے ادب سمجھتے ہیں"
"زہے نصیب" میں ملاحظہ کیجیے محی الدین نواب سے اثر انگیز گفتگو

زہے نصیب

نزہت اصغر

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے ایک اہم ستون اور ممتاز ادیب محی الدین نواب سے خوبصورت ملاقات

قارئین! زہے نصیب کے اس سلسلے میں ہم نامور شخصیات میں ہر دلعزیز قلمکاروں کو بھی پیش کر رہے ہیں۔ آج دلکش کی خوش قسمتی ہے کہ دیوتا کے خالق محی الدین نواب ہمارے ساتھ موجود ہیں۔ آپ کے بارے میں ادارے کے سربراہ معراج رسول صاحب کیا فرماتے ہیں ملاحظہ کیجیے

"محی الدین نواب ایک نام ہے، ایک پہچان ہے۔ اچھی کہانیوں کی پہچان، بلند پایہ تحریروں کی ضمانت۔ نواب کے بارے میں یہ بات بالکل ٹھیک کہی گئی ہے کہ اس کی کہانیاں آنکھوں سے نہیں دل کی گہرائیوں سے پڑھی جاتی ہیں۔ حقیقتاً وہ الفاظ کا جادوگر ہے مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ لفظوں کی جادوگری میں وہ نفس مضمون کو فراموش کر دیتا ہو۔ اگر دیکھا جائے تو اس کی ایک کہانی میں کئی کئی داستانیں بکھری نظر آتی ہیں۔ نواب کا قلم بلاشبہ معاشرے کے جسم پر ایک تیز نشتر کی حیثیت رکھتا ہے جو اپنے عمل جراحی سے انہیں کھولتا چلا جاتا ہے پھر ایک وجود پر کئی چہرے دکھائی دیتے ہیں، کالے چہرے ۔۔۔ آدھے چہرے! نواب کو اگر معاشرے کا تلخ ترجمان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کا مشاہدہ وسیع ہے اور اس کے قلم میں بے پناہ سچائی ہے۔ معاشرے کا کوئی پہلو اس کی آنکھ سے اوجھل نہیں ہے۔ لکھنے کے معاملے میں وہ بڑی گہری نظر رکھتا ہے اور ایک عام سی کہانی میں بھی بہت بڑی بات کہہ جاتا ہے۔"

تاثرات: معراج رسول

دلکش: آپ کی تازہ ترین مصروفیات؟

محی الدین نواب: فی الحال تو مصروفیات معمول کے مطابق ہیں۔ اس سلسلے میں یہ کہنا ہے کہ میں ستتر سال کا ایک بوڑھا زنانہ کمپارٹمنٹ میں سفر کرنا چاہتا ہوں۔ بچوں اور بوڑھوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ یوں بھی انٹرویو کے بہانے ہی سہی اس کمپارٹمنٹ میں آ گیا ہوں۔ اگر آپ کی وساطت سے مجھے دلکش میں لکھنے کا اعزاز حاصل ہو تو نئی مصروفیات کا آغاز ہو سکے گا۔

دلکش: کیا محرکات تھے جو آپ قلمکار بنے؟

نواب صاحب: اماں سے لوریاں اور نانی اماں سے کہانیاں سنیں۔ یوں شاعری اور نثر بیانی کے سنگم پر غیر شعوری طور پر تحریک پیدا ہوتی رہی پھر مطالعات نے میری انگلی پکڑی۔ مشاہدات نے کوہ طور کی چکا چوند پیدا کی۔ تجربات کی بھٹی نے اچھی طرح تپایا!!! ان ہی محرکات نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے۔

دلکش: کیا انسان پیدائشی کہانی کار ہوتا ہے؟

نواب صاحب: انسان پیدائشی کورا کاغذ ہوتا ہے۔ ماحول اور اس کی تعلیم و تربیت اس کورے کاغذ پر جو لکھتی ہے وہ وہی بنتا ہے۔ ویسے میں لکھاری نہیں ہوں۔ میں نے پچھلے اٹھائیس برسوں سے قلم نہیں پکڑا۔ کاغذ پر کوئی کہانی نہیں لکھی۔ ایک کیسٹ ریکارڈر پر چلتے پھرتے کہانیاں بولتا رہتا ہوں۔ مجھے قلمکار نہیں' داستان گو کہا جا سکتا ہے۔

دلکش: ہر ادیب یا شاعر اپنی تخلیق میں ایک خاص سوچ لے کر آتا ہے۔ آپ نے قارئین کو کیا دینا چاہا؟

نواب صاحب: میں اپنے قارئین کو سماجی شعور دینے کی کوششیں کرتا ہوں۔ کتنے ہی پہلوؤں سے ایک تصویر دکھاتا ہوں اور ایک تصویر کو کتنے ہی رنگوں سے نکھار کر سمجھاتا ہوں کہ انسانوں کی بھیڑ میں کیا پاتے رہتے ہو؟ کیا کھوتے رہتے ہو؟ پنجابی میں سدا کھوتے نہیں رہتے۔

دلکش: ایک قلمکار زندگی کو کیسا دیکھتا ہے؟

نواب صاحب: میں زندگی کو ایک چیلنج سمجھتا ہوں۔ وہ ہمیں لمحہ لمحہ قسطوں میں مرجھاتی اور مارتی رہتی ہے لیکن میں سدا بہار ہوں۔ زندگی مجھے خزاں رسیدہ کر ہی نہیں سکتی۔ کرے گی تو میرا مردہ پائے گی۔

دلکش: ہمارے معاشرے میں قلمکار کی حیثیت کیا ہے؟

نواب صاحب: عملی زندگی کے کسی بھی شعبے میں حیثیت بنانے سے بنتی ہے۔ حیثیت مانگنے سے نہیں ملتی۔ ویسے قلمکار کو معاشرے میں پوری روٹی ملے نہ ملے... مرنے کے بعد عزت ضرور ملتی ہے۔

دلکش: آپ ادب کو خطوں میں بانٹتے ہیں یا عالمگیر نکتہ نظر سے اس کا جائزہ لیتے ہیں؟

نواب صاحب: ادب اپنے آنگن سے نکل کر اپنے خطوں سے گزرتا ہے پھر پاؤں پاؤں چلتا ہوا سارے عالم میں پہنچتا ہے۔ اسے عالمگیر ہونا چاہئے۔

دلکش: کچھ اپنے ادبی سفر کے بارے میں مختصر بتایئے کب اور کہاں سے آغاز کیا؟

نواب صاحب: ادب کے ٹھیکیدار ڈائجسٹوں میں لکھنے والوں کو بے ادب سمجھتے ہیں۔ اس لئے ادبی سفر نہ کہیں' قلمی سفر کہیں' ٹھیکیداروں کو خوش رہنے دیں۔ آپ کے اس سوال کے جواب میں پوری نواب بیتی سنانی ہوگی۔ ورنہ جواب تشنہ رہ جائے گا۔ مختصر یہ کہ آج سے پچپن (55) برس پہلے ماہانہ رومان کراچی کے انعامی مقابلے میں پہلی کہانی شائع ہوئی اور میں نے پہلا انعام پچاس روپے حاصل کئے۔ یہ پچاس روپے آج کے لاکھوں روپوں پر بھاری ہیں۔ اس چھوٹی سی رقم نے میری ہر کہانی کو سکہ رائج الوقت بنا دیا ہے۔

دلکش: جو مقصد بحیثیت ایک لکھاری آپ لے کر چلے، کیا اس کی تکمیل ہوئی؟

نواب صاحب: میرا مقصد ہے.... قلمی سفر میں خوب سے خوب تر کی جستجو.... اور جستجو کے دوران تکمیل کا مرحلہ آتا تو ہے لیکن وہ موٴخر نہیں ہوتا۔ میں خوب ترین کی سمت گامزن ہو جاتا ہوں۔

دلکش: آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعے صرف داد سمیٹی یا کچھ اصلاحی فریضہ بھی انجام دیا؟

نواب صاحب: بہتر کارکردگی اور قابل فخر کارنامہ انجام دیئے بغیر داد نہیں ملتی۔ ہم کبھی داد سمیٹنے نہیں جاتے۔ واہ واہ کی صدائیں خود ہی ہمارے گھر آتی ہیں۔

دلکش: ہمارے ہاں ''معاشرہ سدھار مہم'' میں ادیب اور شاعر کو بھی حصہ دار بنایا جاتا ہے۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

نواب صاحب: معاشرہ سدھار تنظیمیں ہمیں کیا حصہ دار بنائیں گی! معاشرے کی مسیحائی تو ادیبوں اور شاعروں کو گھٹی میں ملتی ہے۔

دلکش: کیا بات یا کیا چیز آپ کو لکھنے کی جانب راغب کرتی ہے؟

نواب صاحب: جب ایک ماں کی پہلی چیخ تکلیف کے کرب سے نکلتی ہے اور دوسری چیخ بچے کو نیزے کی انی

پر دیکھ کر تھراتی ہے۔ جب انسان انسان کو مارتا ہے اور تقریر کو اثر امر ہوتا ہے۔ جب ... ایک روٹی چرانے والے کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں اور قومی دولت لوٹنے والے کو فراخ دلی سے معاف کر دیا جاتا ہے اور جب ماں باپ مہنگائی اور فاقوں سے مجبور ہو کر اولاد کو فروخت کر دیتے ہیں۔ جب ... اس دوران مجھے مارتا ہے تب میرے آنسو قلم کی نوک پر ستارے بنتے ہیں۔

دلکش: آپ نے اتنے موضوعات پر لکھا۔ مختلف معاشرتی حقائق کو موضوع تحریر بنایا۔ کیا اب بھی ایسا کچھ رہ گیا ہے جس کے بارے میں آپ کو لکھنے کی خواہش ہو؟

نواب صاحب:

میں تری ست رنگیوں کے کھیل سے بیزار ہوں
اے زمانے ہر گھڑی صورت بدلنا چھوڑ دے

جب ہر لمحہ ایک نئی کروٹ بدلتا ہو' جب گزرتا ہوا وقت ہر چہرے پر ایک نیا چہرہ سجاتا ہو تو نئے موضوعات پیدا ہوتے ہیں اور ہر موضوع کے نئے زاویے لکھنے کے لئے نئی تحریک پیدا کرتے ہیں۔ ہم بہت کچھ لکھ پاتے ہیں۔ سب کچھ نہیں لکھ پاتے۔ سانسیں جب تک مہلت دے رہی ہیں' تب تک بہت کچھ لکھ جاؤں گا مگر زندگی کی ڈائری کا آخری ورق لکھ نہیں پاؤں گا۔

دلکش: ایک قلمکار دیگر افراد معاشرے سے کس طرح مختلف ہوتا ہے؟

نواب صاحب: اگر قلمکار ذرا بھی مختلف ہوا تو اپنے معاشرے سے ہم آہنگ نہیں ہو پائے گا۔ وہ پریوں اور سپنوں کے شہزادوں کی فینٹیسی بڑی اچھی لکھے گا مگر آس پاس کے جیتے جاگتے معاشرے کا نباض نہیں بن پائے گا۔

دلکش: آپ نے اپنی ذاتی زندگی کو کچھ مخفی رکھا ہوا ہے۔ قارئین اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ کیا آپ بتانا پسند کریں گے؟

نواب صاحب: میں ایک کھلی کتاب ہوں۔ میں نے ذاتی زندگی کو مخفی نہیں رکھا ہے۔ تقریباً پانچ سو کہانیاں لکھ چکا ہوں۔ اپنی ستر فیصد کہانیوں کے کرداروں میں خود کو پیش کرتا رہا ہوں۔ جب مجھے پھول ملے تو میرے کردار معطر ہو گئے۔ جب مجھے کانٹا چبھا تو ان کرداروں نے ہائے ہائے کی۔ کبھی رنگا رنگ حسین وادیوں سے گزرا، کبھی آگ اور خون کے کتنے ہی دریا عبور کئے تو قارئین بھی میرے کرداروں کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ ان کے روپ میں مجھے دیکھتے رہے اور پہچانتے رہے۔ خود کو پیش کرنے کا ایک انداز ہوتا ہے۔ لکھنے والیاں ہوں یا والے ہوں۔ وہ چلمن سے لگے ہوتے ہیں۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔ معاشرتی کہانیوں کے تمام کردار دراصل ہم ہی ہوتے ہیں۔ ہم لباس مجاز میں مخفی بھی ہیں اور ظاہر بھی

دلکش: آپ کا بچپن کہاں اور کن حالات میں گزرا؟

نواب صاحب: بچپن سے پھولوں کی سیج پر سوتا آ رہا ہوں۔ یہ سارے پھول گلاب کے ہوتے ہیں، اس لئے کروٹ کروٹ کانٹے چبھتے آ رہے ہیں۔ میں اپنی ''نواب بیتی'' لکھ رہا ہوں۔ یہ اتنی طویل رُوداد ہے کہ کتابی صورت میں اس کی کئی جلدیں شائع ہوں گی۔ تب آپ کے اس سوال کا خاطر خواہ جواب مل سکے گا۔

دلکش: جب آپ نے شعور کی منازل طے کیں تو کن رائٹرز کا چرچا تھا یا آپ نے کس ادیب کو پہلے پڑھا؟

نواب صاحب: یوں تو بچپن سے کہانیوں کی کتابیں اور رسالے پڑھتا آیا ہوں۔ شعور کی منازل طے کرنے کے دوران اردو زبان کے سب سے پہلے افسانہ نگار پریم چند کو سب سے پہلے پڑھا۔ اس دور میں کرشن چندر، سعادت حسن منٹو' عصمت چغتائی' قرۃ العین حیدر، راجندر سنگھ بیدی اور خواجہ احمد عباس وغیرہ۔ ... کا خوب چرچا تھا۔ میں کرشن چندر اور جیلانی بانو کی تحریروں سے متاثر تھا۔ ابتدا میں ان کے ہی اسلوب نگارش کو اپنایا پھر رفتہ رفتہ میرا اپنا

ایک نثری داستان بنا دیا گیا۔

دلکش: کیا شاعر اور نثر نگار میں اولین صنف کا فرق ہے یا خیالات کا بھی فرق ہوتا ہے؟

نواب صاحب: شاعر اور نثر نگار میں اولین صنف کا فرق تو ہوتا ہی ہے۔ ان کے درمیان خیالات و نظریات کا فرق بھی ہوتا ہے۔ ایک تخلیق کار کا جیسا [illegible] ہوں گی ویسے ہی وہ خیالات باندھے گا اور [illegible] پیش کرے گا۔

دلکش: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ [illegible] صرف اپنی ذہنی و قلبی آسودگی کے لیے لکھنا چاہیے؟

نواب صاحب: کہانی میں [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] لکھا جائے اسے قلبی سکون کے لیے [illegible] "زندگی ایک ہی بار ملتی ہے۔" میں نے جی بھر کر جینے کے لیے [illegible] میں [illegible] نہیں رہ سکتا۔

دلکش: [illegible] کیا اب تک وہی ہیں؟

نواب صاحب: بچپن میں میری باتیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ مرغوب تھیں۔ صرف ان کے گلے کا ہار تھی۔ [illegible] تھیں۔ جوانی [illegible] پر آ گئی۔ بڑھاپے میں بھی باتیں شاخ بریدہ کے مانند ایک جگہ پڑی [illegible] ہر دور کا اپنا مزاج اپنے تقاضے [illegible] "ایسا میں تھا۔ جیسے تم ہو اور جیسا میں ہوں ویسے تم [illegible] ہو جاؤ گے۔"

اتنا [illegible] دیکھا کہ سب [illegible] ایک سا لگنے لگا
[illegible] گیا ہے وقت محسوسات سے عاری مجھے

دلکش: [illegible] تقسیم کے حوالے سے آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

نواب صاحب: میں صرف پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم ہی کو نہیں دنیا کی کسی بھی سرحد کو نہیں مانتا۔ یہ [illegible] فرشتے اور شیطان ہر ملک میں ہیں۔ ہندوستان میں ہندو اگر مسلمانوں [illegible] تو پاکستان میں مسلمان اپنے ہی مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارتے رہتے ہیں۔ اگر یہاں معصوم [illegible] اور [illegible] عورتوں کی اجتماعی آبروریزی ہوتی ہے۔ ہم ساٹھ برس گزرنے کے بعد بھی اسلامی [illegible] پاکستان نہ بنا سکے تو پھر ہم نے پاکستان کیوں بنایا؟ میری ماؤں بہنوں بیٹیوں اور معصوم بچوں کو تحفظ دو۔ تب [illegible] پاکستان کا قیام [illegible] تھا۔

دلکش: [illegible] ایک دوسرے کے آبائی علاقے یا [illegible] دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اب [illegible] پاکستانی ہیں [illegible] اس کی کوئی خاص وجہ؟

نواب صاحب: [illegible] صرف اور صرف خالص پاکستانی کوئی نہیں ہے۔ پنجاب میں پنجابی، سرحد میں [illegible] میں بلوچی اور سندھ میں سندھی ہیں۔ یہ چاروں صوبے جذبہ حب الوطنی سے [illegible] نہیں ہیں۔ [illegible] ضروریات نے ان سب کو ایک کھونٹے سے باندھ رکھا ہے۔ بہتر ہے [illegible] جائے گا۔

دلکش: [illegible] بات کرتے ہیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ آج کل کے ادب میں [illegible] ہے؟

نواب صاحب: یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس ملک کے ادیبوں اور شاعروں نے صوبائی [illegible] تعصبات [illegible] کرتے ہوئے پاکستان کے امیج کو قائم رکھا ہے۔ خصوصاً جاسوسی ڈائجسٹ پبلیکیشنز کے تمام

محی الدین نواب اپنے معالج ڈاکٹر اعجاز (مرحوم) کے ہمراہ

رائٹرز جذبہ حب الوطنی کو زندہ اور قائم رکھنے والی کہانیاں لکھتے رہتے ہیں اور ہمارے قارئین بھی دل و جان سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔

دلکش: کیا اب بھی ہمارے ہاں مطالعہ (READING) کا رجحان ہے؟

نواب صاحب: مطالعے کا رجحان اب بھی ہے اور تا قیامت رہے گا۔ درخت کو اس کی جڑ سے اور انسانی قدموں کو زمین کی کشش سے اکھاڑا نہیں جا سکتا۔ بنیاد کو اس کی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکتا۔

بنیاد یہ ہے کہ ہم اردو کا پہلا قاعدہ پڑھ کر حروف کو سمجھتے، سیکھتے اور یاد کرتے ہیں۔ اسکول اور یونیورسٹی سے بھی شعور حاصل کرتے ہیں۔ تب الیکٹرانک میڈیا سے پیش کی جانے والی باتیں سمجھ پاتے ہیں۔ جو ناظرین ناخواندہ ہیں وہ ٹی وی اسکرین پر ناچ گانوں سے دل بہلا تو لیتے ہیں لیکن مختلف چینلز سے پیش کیے جانے والے معلوماتی پروگراموں مثلاً سماجی، اقتصادی، تجارتی، سیاسی پیچیدگیوں اور مذہبی تعلیمات و تشریحات کو سمجھ نہیں پاتے۔ سمجھنے کے لیے کتابوں سے علم حاصل کرنا لازمی ہوتا ہے۔

فی الوقت کہانیاں پڑھنے کے حوالے سے بات کروں گا۔ غریب ہوں یا امیر فرصت کے اوقات میں خوش کن خیالات سے بہلنے کے عادی ہوتے ہیں۔ کسی کے حسن و جمال کا قصیدہ پڑھ کر اسے اپنے تصور میں مجسم کر لیتے ہیں اور اس کی اداؤں سے بہلتے ہیں۔ کوئی اداکارہ وہی خیالی حسینہ بن کر ٹی وی اسکرین پر آئے تو تصوراتی حسن کو ایک دھچکا لگتا ہے۔ کہاں خیالی حسن کی بلند پروازی اور طلسماتی اداؤں کی سحر انگیزی...؟ اور کہاں بیوٹی پارلر سے آنے والی اداکارہ کا مصنوعی حسن...؟ دیکھنے والوں پر لمحاتی تاثر طاری ہوتا ہے۔ مگر پڑھنے والوں کو کہانیوں کی بھول بھلیوں میں ہی گم ہونے کا مزہ آتا ہے۔

بنیادی بات یہی ہے کہ پڑھنے والے تصورات کی جو دنیا آباد کر لیتے ہیں۔ اس کا حسن اس کی دلفریبی انہیں ٹی وی

یا سینما کی چھوٹی بڑی اسکرین پر نہیں ملتی۔ مطالعے کا اپنا ایک نشہ ہوتا ہے۔ اس علمی نشے کو ہمارے ڈائجسٹ دوآتشہ بنا رہے ہیں۔ ابتدا میں الیکٹرانک میڈیا کی جادوگری نے بڑا زور پکڑا تھا اور پرنٹ میڈیا پر حاوی ہو رہا تھا۔ مگر اب پبلشرز... اور رائٹرز... کی قوتِ ارادی اور ثابت قدمی رنگ لا رہی ہے۔ بلاشبہ جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس، سرگزشت، پاکیزہ اور اب دلکش برصغیر پاک و ہند کے سب سے کثیرالاشاعت ماہنامے ہیں اور یہ ثابت کر رہے ہیں کہ مطالعے کا رجحان کم نہیں ہوا ہے۔

دلکش: قاری کو کس طرح صرف ناظر بننے سے روکا جا سکتا ہے؟

نواب صاحب: کسی کو ناظر بننے سے روکنا گویا حصولِ علم سے روکنا ہے۔ ہم کیوں رکاوٹ پیدا کریں؟ کانوں سے اذان سننا، آنکھوں سے مسجد کا راستہ پہچاننا، زبان سے ربِ کریم کی کبریائی بیان کرنا اور ہاتھوں سے حرفِ حق لکھنا۔ یہ سب تعلیم دینے اور پڑھنے کے قدرتی ذرائع ہیں۔ ان میں سے کسی کے آگے رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ جہاں تک بات ٹی وی سے نزدیکی اور مطالعے سے دوری کی ہے تو پبلشرز کتابیں شائع کر رہے ہیں، ہم لکھ رہے ہیں اور آپ کثیر تعداد میں ماہنامے شائع کر رہے ہیں۔ ہم سب مل کر حتی الوسع دعوتِ مطالعہ دے رہے ہیں۔ اگر ہمارا دعوت نامہ دلکش اور اشتہا انگیز ہے۔ اس کا مینو ذہن کو توانائی اور دلوں کو راحت و آسودگی پہنچا رہا ہے... ثقیل نہیں ہے۔ زود ہضم ہے تو لوگ کشاں کشاں آتے رہیں گے۔ ہماری اشاعتی دنیا میں ماہنامہ دلکش کا اضافہ یہ ثابت کر رہا ہے کہ لوگ مطالعہ کی طرف بدستور راغب ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں نئی نسل کے حوالے سے ہم سب کو سنجیدہ جدوجہد کرنی ہوگی۔ ابھی سے بیج بونا ہوگا۔ آج ہم اپنی اولاد کو بچوں کا رسالہ پڑھنے سے نہیں روکیں گے تو کل وہ اپنی عمر کے مطابق مطالعات کی وسیع دنیا میں پہنچتے رہیں گے۔ ہم کل کے بچوں اور آج کے جوانوں کو ایک ترتیب سے نئی نسل کو مطالعے کی طرف راغب کر سکتے ہیں۔

دلکش: آپ دنیا کی کس زبان کے ادب سے متاثر ہیں؟

نواب صاحب: بنگالی ادب سے متاثر ہوں۔ رابندر ناتھ ٹیگور اور شرت چندر چٹرجی کو میں نے بہت پڑھا ہے۔ شعر و ادب، مصوری، رقص، موسیقی اور سنگ تراشی ان پانچ اصناف کو فنونِ لطیفہ کہتے ہیں۔ بنگالی ادب میں ان پانچوں اصناف کا عمل دخل ہے۔ اس لئے یہ ادب انتہائی زرخیز ہے۔ پاکستان میں فنونِ لطیفہ کے لئے ماحول سازگار نہیں ہے۔ رقص اور مجسمہ تراشی کی ممانعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب دریا کی طرح رواں دواں رہنے کے باوجود سمندر کی وسعت نہیں پا رہا ہے۔

دلکش: لکھنے کے علاوہ آپ کے کیا مشاغل اور مصروفیات رہیں؟

نواب صاحب: میں پیدائشی بنگالی ہوں۔ اس لئے کہانیاں لکھنے کے علاوہ شاعری، مصوری، رقص، موسیقی اور سنگ تراشی سے دلچسپی رکھتا ہوں۔ مجھے قرآن مجید کی تعلیم دینے والے ایک مولوی صاحب نے مصوری، رقص، موسیقی اور سنگ تراشی سے باز رکھا۔ میں نے ان کی ہدایات پر عمل کیا۔ مگر مصوری سے باز نہیں آیا۔ آج بھی تصویریں بناتا ہوں۔

دلکش: جاسوسی ڈائجسٹ پبلیکیشنز نے آپ کو ایک بڑی پہچان دی۔ آپ کی اپنی کیا رائے ہے اس بارے میں؟

نواب صاحب: یہ ادارہ میرا گھر ہے۔ اس کی چھت مجھے دھوپ سے بچاتی ہے۔ چھاؤں میں بٹھاتی ہے۔ اس کی دیواریں باہر کی بلاؤں سے بچاتی ہیں۔ اس کا فرش ماں کی آغوش ہے۔ یہ بوڑھا یہاں بہت میٹھی نیند سوتا ہے۔

دلکش: معراج رسول صاحب کا آپ کی کامیابی میں کتنا حصہ ہے؟

نواب صاحب: ہم سب معراج صاحب کو نباضِ ہنر کہتے ہیں۔ انہوں نے کتنے ہی قلمی صلاحیتوں کے حامل افراد کو تلاش کیا ہے۔ اقلیم علیم صاحب بھی اپنی طرز کے منفرد قلمکار ہیں۔ کوئی مدیر یا پبلشر انہیں کہانی لکھنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ انہیں بھی معراج صاحب نے شیشے میں اتارا ہے۔ میں 1974ء میں دیبا خانم کے نام سے ناول لکھا کرتا

تھا۔ ایک روز معراج صاحب لاہور پہنچے۔ وہاں سے مجھے پکڑ کر کراچی لے آئے۔ ان کی سرپرستی میں اتنا خلوص اتنی محبتیں ملتی رہیں کہ مجھے ان کے در سے نکل کر دوسروں کے دروازے پر جانے کا کبھی خیال تک نہ آیا۔ آپ کا سوال ہے کہ میری کامیابی میں ان کا کتنا حصہ ہے؟ نواب بیتی میں اس کا جواب کئی صفحات پر مشتمل ہے پھر بھی تشنہ ہے۔ فی الحال جواباً یہی کہوں گا۔

وہی ہے میرا نام میرے قلم کی معراج
یہ پیش منظر اسی پس منظر سے ابھرا ہے

دلکش: بعض دفعہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ جزئیات نگاری سے بہت کام لیتے ہیں۔ اس کے باعث قاری کبھی کبھی اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

نواب صاحب: آپ کوئی ایک کہانی پیش کریں، جس میں جزئیات نگاری کا الزام آ رہا ہو؟ میں اسے پڑھ کر وضاحت کروں گا، تب یہ تکنیک سمجھ میں آ جائے گی کہ کہانی کے مرکزی خیال میں، کرداروں میں اور ماحول میں تاثرات اور استحکام پیدا کرنے کے لئے بعض اوقات تفصیلی بیان لازمی ہوتا ہے۔ بے جا تفصیلی بیان سے کہانی میں جھول پیدا ہو جاتا ہے۔ میں ایسی (DRAGGING) سے کتراتا ہوں۔

دلکش: کیا ہر کہانی مکمل تفصیل کی متقاضی ہوتی ہے؟

نواب صاحب: کہانی کے موضوع کو، کرداروں کو اور ان کی گفتگو کو کبھی تشبیہ، استعاروں اور کنایوں سے بیان کیا گیا ہو اور کہیں کہیں ضرورتاً علامتی انداز اختیار کیا گیا ہو تو پھر وہ کہانی جامع اور مؤثر ہوتی ہے۔ کسی بھی پہلو سے تفصیل کی محتاج نہیں ہوتی۔

آپ کے سوال کا جواب دینے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ہوگا کہ ہمارے ڈائجسٹوں کے قارئین کون ہیں اور کیا ہیں؟
ایک محتاط سروے کے مطابق فنون لطیفہ کا شعور رکھنے والے پندرہ فیصد ہیں۔ وہ تشبیہ استعاروں اور علامتوں کو بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور تہہ میں چھپی ہوئی باتوں کو سمجھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔
پچیس فیصد قارئین اسکولوں، کالجوں، سرکاری و غیر سرکاری دفاتر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ٹرینوں اور بسوں میں سفر کے دوران رسالے پڑھتے ہیں۔ وہ پہیلیاں بجھوانے والے استعاروں اور علامتوں سے الجھتے ہیں۔ مطالعے کی دلچسپ روانی کے دوران رکنا نہیں چاہتے۔ یہ چاہتے ہیں کہ ہم قلمکار انہیں روک روک کر تجزیے کرتے ہوئے پڑھنے پر مجبور نہ کریں۔ انہیں فرفر آموختہ پڑھنے دیں۔
ساٹھ فیصد قارئین ملوں اور فیکٹریوں کے مزدور، فٹ پاتھ پر ریڑھیاں لگانے والے سبزی اور پھل فروش مڈل پاس چپڑاسی، دربان اور ہو کیدار سو دو سو روپے کی کتاب خرید کر نہیں پڑھ سکتے۔ پینتیس روپے کا ایک ڈائجسٹ خریدنے کی سکت رکھتے ہیں۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہمارے ڈائجسٹوں نے اردو زبان کو غریب مزدوروں اور محنت کشوں تک پہنچایا ہے۔
آپ ملک کے کسی حصے میں چلے جائیں۔ رکشا، ٹیکسی، بس اسٹینڈ اور ریلوے اسٹیشن ... ہر جگہ لوگ ڈائجسٹ پڑھتے دکھائی دیں گے۔ کوئی اوق ادبی کتاب پڑھتا نظر نہیں آئے گا۔ کیونکہ ان کتابوں کے مضامین اور کہانیاں حالات کے تھکے ہارے ساٹھ فیصد قارئین کے سروں سے گزر جاتی ہیں۔ اس سروے کے پیش نظر ہم قلمکار اپنے تمام قارئین کے ذہنوں کو الجھانے والی باتیں نہیں لکھتے۔ کہیں الجھن ہو تو اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ وضاحت کافی نہ ہو تو تفصیل سے باتیں بتاتے ہوئے کہانی کے ٹیمپو کو برقرار رکھتے ہیں۔
دلکش: آپ کا خاص ہدف کیا رہا ہے؟
نواب صاحب: ہمارے ڈائجسٹ اردو زبان کو ہر گلی ہر آنگن میں پہنچا رہے ہیں۔ میرا بھی یہی ہدف ہے۔ میں بھی اس جدوجہد میں شریک ہوں۔
دلکش: کیا کہانی کے آخر میں اصلاحی پہلو دکھانا ضروری ہوتا ہے؟
نواب صاحب: محض ٹائم پاس کرنے والی تفریحی کہانیاں قابل قبول ہوں تو اصلاحی باتیں نہ کریں۔ ورنہ ہم دوسروں کو کچھ دینے، کچھ سکھانے اور سمجھانے کے لئے لکھتے ہیں۔ سکھانے اور سمجھانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ والدین استاد یا مبلغ بن جائیں۔ یا اپنی کہانیوں کو ہدایت نامہ خاوند اور ہدایت نامہ بیگم جان بنالیں۔
دراصل لکھنے کا ہنر آتا ہو تو کہی ہوئی بات نصیحت یا تقریر نہیں لگے گی۔ مثلاً یہ نصیحت کرنا ہو کہ لوگوں کا بھلا کرو۔ خود دکھی ہو تو دوسروں کو دکھی نہ کرو۔ اسی بات کو اپنی ذات کے حوالے سے کہو۔ "میں چاند ہوں داغ اپنے پاس رکھتی ہوں اور روشنی لٹاتی رہتی ہوں۔"
"عورت کو گھنا درخت بناؤ گے تو سایہ ملتا رہے گا۔ ببول کا پیڑ سمجھو گے تو کانٹے چبھتے رہیں گے۔"
بحث و تکرار کے بجائے حقائق پر مبنی مختصر سی بات کہہ دی جائے۔ "عورت کی اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ تمہارے بچوں کی ماں ہے۔"
ایسے فقروں کے پیچھے مانند معمار کی امنگ اور اصلاحی جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔
دلکش: آپ کے نزدیک اچھا ادب اور بہت زیادہ پڑھے جانے والا ادب کیا دو مختلف چیزیں ہیں؟
نواب صاحب: آپ کے سوال سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اچھا ادب بہت کم پڑھا جاتا ہے اور بہت زیادہ پڑھا جانے والا ادب اچھا نہیں ہوتا۔ (یہ بات نہیں نواب صاحب ہم عام تاثر کے حوالے سے بات کر رہے ہیں) اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک ادب ذہنی قبولیت سے پڑھا جاتا ہے اور دوسرا ادب ذہنی قبولیت بھی حاصل کرتا ہے اور

[illegible] میں بھی اترتا چلا جاتا ہے۔ یہ دونوں ندی کے دو کنارے ہیں۔ [illegible] ادب سے [illegible] کی طرح شکل ہوتا ہے۔ پڑھنے والوں کو جیرانی اور نیا پن [illegible] اور تلخ حقائق سکھاتا ہے۔ [illegible] دکھاتا ہے۔ زیادہ پڑھا جانے والا ادب ماں کا [illegible] ہے۔ یہ [illegible] بیٹھے [illegible] کے [illegible] پہاڑ کاٹ کر [illegible] ندی نہر نکالتے ہیں۔ یہ دو کنارے ندی کے اطراف ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔
دلکش: اپنی بہترین تحریر کس کو قرار دیں گے؟
نواب صاحب: سدا سہاگن، ایمان کا سفر، پھر اگر اور لہو کے پھول جیسی لاتعداد کہانیاں ہیں جنہیں پڑھنے والے دل تھام لیتے ہیں۔ میں نے ان کہانیوں میں اپنا لہو جلایا ہے۔ کسی ایک کو بہترین کہہ کر بے وفائی نہیں کروں گا۔
دلکش: اب تک آپ کی کتنی کتابیں شائع ہو چکی ہیں؟
نواب صاحب: میرے حساب سے دو کتابیں رہ گئی ہیں۔ اگلے ماہ تک یہ شائع ہو جائیں گی تو ایک سنچری کروں گا۔ میں نے کتابوں کی کبھی رونمائی نہیں کرائی۔ یہ تمام کتابیں شائع ہوتے ہی مجھے ہاتھوں ہاتھ رونمائی کراتی رہی ہیں۔ یہ ہاٹ کیک کی طرح فروخت ہوتی ہیں اور پبلشرز حضرات میری اگلی کوئی کتاب شائع کرنے کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتے ہیں۔
دلکش: آپ نے سسپنس میں طویل ترین سلسلہ چلایا۔ اس کا کیا ردعمل اب سامنے آ رہا ہے؟ کیا لوگ اتنا طویل سلسلہ اسی دلچسپی سے پڑھ رہے ہیں؟
نواب صاحب: اس طویل ترین سلسلے کا نام "دیوتا" ہے۔ یہ پچھلے اکتیس برسوں سے ہر ماہ باقاعدہ شائع ہو رہا ہے۔ میں تینتیسویں 33 برس کی قسطیں لکھ رہا ہوں۔ اگر ملک الموت نے اچانک ہی آ کر مجھے دبوچ لیا تو فرق نہیں پڑے گا۔ میرے بعد بھی یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہے گا۔
ایک اندازہ ہے کہ مزید پانچ برس کی زندگی ملی تو دیوتا کے دیوانے قارئین چالیس برسوں تک یہ کہانی پڑھتے رہیں گے۔ اگر دس برس جی لیا تو یہ کہانی نصف صدی پر محیط رہے گی۔ برصغیر کے تمام اردو ہندی پرنٹ میڈیا میں اس کہانی کی اشاعت سب سے زیادہ ہے۔ تادم تحریر اس کی 370 قسطیں اور ایڈیشن کے حوالے سے پانچ لاکھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔
دلکش: کوئی کوئی تحریر فکشن ہوتی ہے یا عام طور پر یہی لکھا جا رہا ہے؟
نواب صاحب: خیالی قصوں اور کرداروں پر مبنی حکایات کو فکشن کہا جاتا ہے۔ مگر ہم وہی قصے اٹھاتے ہیں جو ہماری گھریلو، سماجی اور معاشرتی زندگی کا فسانہ ہوتا ہے۔ اسی گھر سے سماج اور معاشرے کے سارے کردار ابھرکر آتے ہیں۔ لکھنے والے اتنے حساس ہوتے ہیں کہ زندگی کے بال برابر مسائل کو بھی نظرانداز نہیں کرتے۔ انہیں بھی مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب یہ قصے اتنے سچے ہوتے ہیں اور کردار ہمارے اندر سے جیتے جاگتے نکلتے ہیں تو پھر ہماری کہانیوں کو فکشن کیوں کہا جاتا ہے؟ میں کبھی اس بحث میں نہیں پڑا کہ کہانیاں ادبی اور غیر ادبی ہوتی ہیں یا نہیں؟ جو کچھ دیکھنے، سننے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد میرے دل پر گزرتی ہے اسے میں سچائی سے اور پوری ذمہ داریوں سے لکھتا ہوں۔ قارئین اسے قبول کرتے ہیں تو میری محنت وصول ہو جاتی ہے۔ مجھے اس سے زیادہ نہ کچھ لینا ہے نہ بحث میں پڑنا ہے۔
دلکش: ناقدین کا خیال ہے کہ اردو ادب اب دم توڑ رہا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟
نواب صاحب: ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے اردو ادب کی آہیں کراہیں نہیں سنی ہیں۔ البتہ خاموشی ہے۔ اسے ماتمی خاموشی نہیں کہنا چاہئے۔ ہمارے عالم معتبر، دانشور، ناقدین اور محققین اردو ادب کی ترویج اور بقا کے لئے دن رات کام کر رہے ہیں۔ ان کی محنت اور دماغ سوزی کو نہ ہم دیکھتے ہیں اور نہ سمجھ پاتے ہیں۔ ترقی اردو بورڈ

کراچی نے اب تک اٹھارہ جلدوں میں اردو لغت شائع کی ہے۔ مزید جلدیں بھی شائع ہوتی رہیں گی۔ یہ ایسا تحقیقی کام ہے جو اردو زبان کو تا قیامت زندہ رکھے گا۔ میں اردو بورڈ کے تمام محققین اور ممبران کو سلام کرتا ہوں۔

یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ جو ادب مارکیٹ میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتا ہے۔ وہ زندہ ہے اور جو ادب مردہ ہے یا مر رہا ہے جو بازاروں میں نہیں بکتا۔ گھروں میں یا متعلقہ اداروں میں پڑا رہتا ہے۔ درخت کی جڑیں مٹی کے اندر پڑی رہتی ہیں مگر بازار میں آکے پھلوں اور پھولوں کو رنگ روپ اور رس دیتی ہیں۔ اردو بورڈ کی لغات اور تحقیقی مقالوں اور مضامین کی کتابیں ہمیں سکھاتی پڑھاتی ہیں' تب ہی ہم پہنچتے ہیں۔

دلکش ☆ آپ نے اتنا کچھ لکھا مگر ملکی سطح پر آپ کی وہ شہرت نہیں ہوئی جو ہونی چاہئے۔ ہاں ڈائجسٹ کا قاری تو یقیناً واقف ہے۔ آپ کیا کہیں گے اس بارے میں؟

نواب صاحب ☆ یہ ڈائجسٹ کا قاری جو مجھ سے واقف ہے کہاں رہتا ہے؟

اگر یہ قاری پاکستان کے مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک رہتا ہے تو پھر میں ملکی سطح پر جانا پہچانا جاتا ہوں۔ جاسوسی ڈائجسٹ پبلیکیشنز کے تمام رسالے دنیا کے ہر اس ملک، شہر اور قصبے میں پڑھے جاتے ہیں، جہاں اردو زبان جاننے والے رہتے ہیں۔ اس حساب سے میں عالمی شہرت رکھتا ہوں۔

اگر شہرت سے مراد یہ ہے کہ اخبارات میں میرے انٹرویوز اور تصاویر شائع ہوتی رہیں۔ مختلف چینلوں کی اسکرین پر میری واہ واہ ہوتی رہے تو پھر میں شہرت کے معاملے میں کنگال ہوں۔ ایسے ویسے جیسے بھی لوگوں کے انٹرویوز لئے جاتے ہیں۔ تصاویر شائع کی جاتی ہیں۔ پتا نہیں مجھے کیوں پوچھا نہیں جاتا؟ ان حالات میں یہی کہوں گا۔

ہم پربتوں سے لڑتے رہے اور چند لوگ
گیلی زمین کھود کے فرہاد بن گئے

دور کیوں جائیں؟ ہم اپنے ہی گھر میں جھانک کر دیکھیں' اس ادارے میں پچھلے بتیس برسوں سے لکھ رہا ہوں۔ مگر کسی نے مجھے انٹرویو کے لئے نہیں پوچھا۔ یہ دلکش پہلا ماہنامہ ہے۔ یہاں مجھے پذیرائی مل رہی ہے اور میرا انٹرویو شائع ہو رہا ہے۔ کیا میری تصویریں بھی شائع کریں گی؟ اللہ...! پھر تو میں پہلی بار بالوں میں تیل لگا کر کنگھی کروں گا۔ آنکھوں میں سرمہ لگاؤں گا۔ کم از کم سو دو سو دلکش خرید کر مزاروں میں تقسیم کروں گا۔ کیونکہ یہ قوم مردہ پرست ہے۔ مرنے کے بعد قدر کرتی ہے۔ یہ عمر رفتہ کہہ رہی ہے' جلد ہی میری بھی قدر کی جائے گی۔ ہاں تحریریں تو یہاں یقیناً پذیرائی پا رہی ہیں۔ (نواب صاحب اسی لیے دلکش نے انٹرویو کا یہ سلسلہ شروع کیا ہے)

دلکش ☆ علامتی ادب یا علامتی کہانی کیا ہوتی ہے؟ یہ صرف قاری یا ناقد کو مرعوب کرنے کے لئے لکھی جاتی ہے یا کوئی اور وجہ ہے؟

نواب صاحب ☆ کہانی کے کسی حصے میں ضرورتاً یا ادبی چاشنی پیدا کرنے کے لئے علامتی انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ مگر ابتدا سے اختتام تک علامتوں میں بات کہی جائے تو قاری ہر صفحہ ہر پیراگراف اور ہر سطر میں معمے حل کرنے کے لئے رکتا ہے اور الجھتا ہے۔

شائد مرعوب کرنے کے لئے یا اپنی الگ پہچان بنانے کے لئے علامتی کہانیاں لکھی جاتی ہیں۔ ہم میں سے کوئی کہانی پڑھتے وقت فلسفہ پڑھنا نہیں چاہتا۔ ہماری زندگی معموں اور الجھنوں سے بھری پڑی ہے۔ انہیں حل کرتے اور سلجھاتے سلجھاتے عمر گزر جاتی ہے۔ شعر و ادب میں نت نئے تجربات ضرور ہوتے ہیں لیکن انہیں قابلِ قبول ہونا چاہئے۔

دلکش ☆ زندگی نے آپ کو کیا دیا اور دوسری طرف آپ نے اسے کیا دیا اور کیا لیا؟

نواب صاحب ☆ زندگی نے مجھے حسن و رعنائیاں، پھول رنگ اور خوشبوئیں دیں۔ میں ان پھولوں کو گوندھ کر

بار بنا تا رہتا ہوں۔ جب یہ بار جاتا چاہتی ہے، دُکھی اور بیمار ہو جاتی ہے تو اسے دواؤں اور دعاؤں سے تھپک تھپک کر آگے لے چلتا ہوں۔

زندگی کا یہ احسان ہے کہ مجھے سانسیں دیتی رہتی ہے۔ میرا یہ کمال ہے کہ میں مسیحائی کرتا ہوں اور بڑھاپے میں بیساکھی کے بغیر اسے لئے جا رہا ہوں۔

دلکش ☜ وقت کے ساتھ ساتھ کیا انسان بھی تنزلی کا شکار ہو رہا ہے یا صرف اقدار ہی تنزلی کا نشانہ ہیں؟

نواب صاحب ☜ انسان تنزلی کی طرف نہیں، بڑی تیزی سے ترقی کی سمت گامزن ہے۔ پہلے انسان عمر بھر کے لئے اندھا ہو جاتا تھا۔ آج اسے آنکھیں مل جاتی ہیں۔ پہلے بڑھاپے میں حافظہ کمزور ہو جاتا تھا۔ آج کی نسل نے مجھ بوڑھے کو دماغی توانائی دی ہے۔ کمپیوٹر کو میرا مضبوط دماغ بنا دیا ہے۔ ایک بٹن دباتے ہی مجھے بتا دیتا ہے کہ تیس برس پہلے دیوتا کی فلاں قسط میں کون سا مکالمہ لکھا تھا اور اس مکالمے کے الفاظ کیا تھے؟

البتہ مشرقی تہذیب کے حوالے سے ہماری نسل بزرگوں کی روایات اور خوبصورت اقدار سے برگشتہ ہو گئی ہے۔ بے شک ہم بڑی خاموشی سے تہذیبی زوال کا ماتم کر رہے ہیں۔ بے جا شور ہنگاموں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مگر نوجوان موٹر سائیکل سے سائیلنسر نکال کر بزرگوں اور بیماروں کے کان پھاڑتے گزر جاتے ہیں۔ لڑکیاں سروں پر آنچل رکھ کر گھر سے نکلتی ہیں۔ باہر جا کر حیا کا آنچل ڈھلکا دیتی ہیں۔ ہماری تہذیب بڑی تیزی سے ڈھلک رہی ہے۔

دلکش ☜ آج کل شعر و ادب کے میدان میں نہایت کم عمر افراد آ رہے ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟ یعنی پندرہ سولہ سالہ لڑکیاں یا لڑکے افسانے اور بیشتر کہانیاں لکھ کر بڑھ جاتے ہیں۔ آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟

نواب صاحب ☜ آپ پندرہ سولہ برس کہہ رہی ہیں۔ میں نے تو سات برس کی عمر سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک فقرہ بھی ڈھنگ کا نہیں ہوتا تھا۔ راجہ رانی اور چوہے بلیوں کی کہانیاں ہوتی تھیں اور میں اپنی سیدھی بے تکی باتیں لکھتا اور کاغذ پھاڑتا چلا جاتا تھا۔ بائیس برس کی عمر تک کسی رسالے کے مدیر نے گھاس نہیں ڈالی۔ جب پہلی کہانی شائع ہوئی اور پہلا انعام ملا تو گھاس نہ ڈالنے والے من و سلویٰ پیش کرنے لگے۔

آپ عمر کا حساب نہ کریں۔ اگر لکھنے کا رجحان ہے تو لکھنے دیں۔ وہ خود ہی میری طرح ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ جو مضبوط قوت ارادی کے مالک ہوں گے وہ رائٹر بن جائیں گے۔ جو نہ بن پائے وہ کم از کم خطوط کے صفحات میں تو اپنا نام شائع کرا سکیں گے۔

دلکش ☜ آپ کا قاری سے کس حد تک رابطہ ہے؟ میرے سوال کا مطلب ہے آپ کی تحریروں پر ردعمل کس حد تک ہوتا ہے اور کیا آپ اس سب سے آگاہ رہتے ہیں اور اثر بھی لیتے ہیں یا بے نیازی سے اپنے کام میں ہی مصروف رہتے ہیں؟

نواب صاحب ☜ مجھے بہت مجبور ہو کر اپنے محبوب قارئین سے فاصلہ رکھنا پڑتا ہے۔ صرف کراچی کے قارئین کو میری رہائش گاہ کا پتا معلوم ہو جائے تو صبح سے رات گئے تک دل سے دل اور گلے سے گلے لگانے والوں کا تانتا بندھا رہے گا۔ پورے پاکستان اور اوورسیز کے قارئین کو میرا فون نمبر معلوم ہو گا تو کالیں اٹینڈ کرنے کے نتیجے میں تمام لکھنے پڑھنے کا وقت جاتا رہے گا۔ یوں صرف مجھے ہی نہیں، قارئین کو بھی نقصان پہنچے گا۔ میں ان کے لئے ایک کہانی بھی لکھ نہیں پاؤں گا۔

اس کے باوجود ہم ایک دوسرے کی طرف کھنچے جاتے ہیں۔ میں ہر سال کراچی سے شمالی علاقہ جات تک جاتا ہوں۔ کہانیوں کے سلسلے میں مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے لئے اپنے ملک کے کتنے ہی چھوٹے بڑے شہروں اور دیہاتوں میں جا کر کچھ وقت گزارتا ہوں۔ ایسے دوروں کے دوران بیشمار چاہنے والوں سے ملاقاتیں ہوتی

ہیں۔ اپنے ڈائجسٹوں کے [illegible] سے پہلی قسط [illegible] ہے [illegible]

ہے کہ پرانے پچھلے بتیس 32 برس سے اپنی [illegible]

دلکش ☜ آج کل تو بیشمار چینلز کھلنے سے فنکاروں کی [illegible] [illegible] کیا [illegible] جانے کا سوچا؟

نواب صاحب ☜ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے رائٹر کو کبھی مالی مشکلات کا سامنا [illegible] ایک ٹھوس مستقل آمدنی ہے۔ چینلز میں لکھنے والے ایک سیریل یا سیریز لکھنے کے بعد مہینوں اور برسوں دوسری [illegible] لکھنے کے انتظار میں مالی مشکلات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔

میری ایک سیریل ''آدھا چہرہ'' کے عنوان سے آن ایئر آئی تھی۔ اس کی مقبولیت کے باعث معاوضے کے علاوہ کیش انعام سے نوازا گیا۔ جیو چینل کا آغاز میری ایک سو دس اقساط کی سیریل ''سرپرست'' سے ہوا۔ اتنی کامیابی اور مقبولیت کے باوجود مجھے پذیرائی کیوں نہیں مل رہی ہے؟ یہ چینلز کے کرتا دھرتا ہی سمجھتے ہوں گے۔

شروع سے دُور ہے یا درمیاں سے ٹوٹا ہے
وہ جانتا ہے تعلق کہاں سے ٹوٹا ہے

دلکش ☜ جو فکشن لکھا جاتا ہے۔ کیا وہ من وعن DRAMATIZE کیا جا سکتا ہے؟

نواب صاحب ☜ ڈرامے کی تکنیک فکشن سے مختلف ہے۔ فکشن میں ہماری تحریر قارئین کو تصورات کی دنیا میں لے جاتی ہے۔ یہی تحریر اسکرین پر آ کر انہیں جیتی جاگتی دنیا میں لے آتی ہے۔ اگر اسکرین پلے انتہائی مہارت سے لکھا جائے اور ہدایتکار کہانی کی روح کو سمجھ کر، ماحول سے مطابقت رکھنے والے اداکاروں سے کام لے۔ کیمرا مین غم و خوشی کے جذبات کو صحیح لائٹنگ کے ذریعے پیش کرے اور پس پردہ موسیقی ان جذبات کی صحیح ترجمانی کرے تو وہ ڈراما شاہکار بن جاتا ہے اور بہترین کہانیاں لکھنے والوں کی لاج رہ جاتی ہے۔

دلکش ☜ خواتین افسانہ نگاروں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا مرد و زن والا فرق اس شعبے میں دکھائی دیتا ہے یعنی خواتین کا اسٹائل الگ اور مردانہ الگ اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیں کہ کیا صرف تحریر پڑھ کر ایک قاری..... مرد یا عورت کی تحریر کی پہچان کر سکتا ہے؟

نواب صاحب ☜ یہ خواتین کے رسالوں اور ڈائجسٹوں نے مرد و زن والا فرق پیدا کیا ہے۔ ورنہ عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، جیلانی بانو، ہاجرہ مسرور اور امرتا پریتم نے ماضی بعید میں اور پچھلی چار دہائیوں میں فاطمہ ثریا بجیا، حسینہ معین، نور الہدیٰ شاہ، بانو قدسیہ، بشریٰ رحمان اور ناہید سلطانہ اختر نے مردوں کی دنیا میں رہ کر الیکٹرونک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے جو منفرد اور نمایاں مقام حاصل کیا ہے وہ آج کی خواتین رائٹرز کو حاصل نہیں۔ کیونکہ خواتین کے مقابلے میں صرف خواتین ہی لکھ رہی ہیں۔ ان کے سامنے کوئی بڑا چیلنج نہیں ہے۔ وہ اپنے ایک محدود ماحول میں لکھتی ہیں۔ اپنے ڈیڑھ اینٹ کے فن کدے سے باہر نہیں آ رہی ہیں۔ باہر آنے سے مراد ہے جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس اور سرگزشت میں بھی طبع آزمائی کریں۔ یا کم از کم دلکش میں مرد رائٹروں کی ایک آدھ کہانیاں مقابلتاً شائع کی جائیں۔ (یہاں پر قارئین اپنی رائے دے سکتے ہیں کہ کیا مرد رائٹرز کی تحریروں کو جگہ دی جائے) یہ سمجھوتا ہونا چاہئے کہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز ہمارا گھرانا ہے۔ ہم اس گھرانے میں رہ کر ایک دوسرے سے کچھ سیکھ بھی سکتے ہیں اور سکھا بھی سکتے ہیں۔

دلکش ☜ نواب صاحب، پوچھنے اور جاننے کو تو بہت کچھ ہے۔ قارئین کی جانب سے سوالات کی قطار در قطار ہے مگر آپ کی ناسازیٔ طبع کو دیکھتے ہوئے مزید زحمت نہیں دیں گے۔ بس کچھ ذاتی نوعیت کے سوالوں کے جواب دے دیں تو مہربانی ہوگی۔ یہ بتائیں آپ کے بچوں میں سے کوئی تحریری جانب آیا؟

نواب صاحب ✿ جانور سے جانور اور انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے مگر فنکار سے فنکار پیدا نہیں ہوتا۔ بہت کم مثالیں ہیں کہ فن کسی کو وراثت میں ملا ہو۔ میری ایک بیٹی سونیا امبر کو اردو زبان و بیان پر کمال حاصل ہے۔ اس نے میرے اسٹائل پر ایک دو کہانیاں لکھیں پھر لکھنے سے انکار کر دیا۔ وہ ایک قلمکار کی حیثیت سے اپنا کیریئر بنانا نہیں چاہتی۔ میں نے ضد نہیں کی۔ بچوں کو اپنے مزاج اور اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق مستقبل کی سمت جانا چاہئے۔

دلکش ✿ آپ کے بے تحاشا لکھنے کی مصروفیات سے ازدواجی زندگی کس حد تک متاثر ہوئی؟

نواب صاحب ✿ نوے فیصد فنکاروں کی گھریلو اور ازدواجی زندگی شکایات اور تنازعات سے بھرپور ہوتی ہے۔ اسی ''زہے نصیب'' میں محمد احمد صاحب کا انٹرویو پڑھ کر رشک ہوا کہ وہ ازدواجی معاملات میں خوش حال ہیں۔ اپنی تمام کمائی بیگم کی ہتھیلی پر رکھ دیتے ہیں پھر وہ اور بچے ضرورت کے مطابق ان سے پیسے مانگتے ہیں۔ واقعی یہ آئیڈیل لائف ہے۔ میں دعا کروں گا کہ ہم قلمکاروں کی زندگی میں بھی ایسا معجزہ ہو جائے۔

دلکش ✿ آپ کی بیگم کس حد تک آپ کی معاون ثابت ہوئیں؟

نواب صاحب ✿ بیگم گھر اور بچوں کو بڑی ذمہ داریوں سے سنبھال رہی ہیں۔ ایک شریکِ حیات کا یہی تعاون بہت ہوتا ہے۔

دلکش ✿ ورلڈ لیول پر آپ کے پسندیدہ رائٹرز اور پھر ملکی سطح پر کون ہیں؟

نواب صاحب ✿ میں نے انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، روسی، عربی، فارسی، سندھی، بلوچی، پشتو، پنجابی، ہندی، بنگالی، چینی اور جاپانی ادب کے انگریزی اور اردو ترجمے پڑھے ہیں۔ ہر زبان کے رائٹرز نے مثالی تخلیقات پیش کی ہیں۔ سب ہی میرے پسندیدہ ہیں۔ سب ہی سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ملکی سطح پر پچھلی چند دہائیوں سے بشریٰ رحمان، ناہید سلطانہ اختر، طاہر جاوید مغل، کاشف زبیر اور حسام بٹ ہیں۔ نگہت عبداللہ خوب لکھتی ہیں۔ میں نے ان کی ایک کہانی کو ''شام سے پہلے'' کے عنوان سے DRAMATIZE کیا تھا۔ اس سیریل کی پانچ اقساط لکھنے کے بعد میں بیمار ہو گیا۔ اس کی باقی اقساط سیما غزل نے لکھی تھیں۔

دلکش ✿ شاعری سے کتنا شغف ہے؟ کیا کبھی شاعری بھی کی ہے؟

نواب صاحب ✿ شاعری میری روح میں سمائی ہوئی ہے۔ پہلے میں کسی شاعر کو پڑھتا ہوں پھر کہانی لکھنے بیٹھتا ہوں۔ میرے آگے نثر نگاری کی ثانوی حیثیت ہے۔ شاعری اتنی آسان ہے کہ گلی کوچوں میں شعر کہنے والے مل جاتے ہیں اور اتنی مشکل ہے کہ کہیں کہیں گلاب کھلتے اور خوشبو لٹاتے دکھائی دیتے ہیں۔ میرے لئے یہ مشکل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس صنف میں کبھی نمایاں مقام حاصل نہیں کر سکوں گا۔ اس لئے شعر کہنے کی ضدی خواہش کو تسلیاں دینے کے لئے کبھی کچھ لکھ لیتا ہوں۔ ایک غزل کے تین اشعار پیش کر رہا ہوں۔

وہ شخص دھوپ سے بچاتا ہے
اپنے سائے میں پھر جلاتا ہے
رات بھر چاند کہتا رہتا ہے
دن میں تارے مگر دکھاتا ہے
دل میں ہو درد تو وہ روتا ہے
گلے میں درد ہو تو گاتا ہے

دلکش ✿ آپ کا پسندیدہ شاعر اور کوئی شعر بھی سنا دیں؟

نواب صاحب ✿ پسندیدہ شاعر ایک ہوتا تو نام لیتا۔ ان کے نام اور پسندیدہ اشعار لکھنے بیٹھوں گا تو اس ماہنامہ کے صفحات ناکافی ہوں گے۔ میں کسی ایک کو پسندیدہ کہہ کر دوسروں کی شاعرانہ صلاحیتوں کو کمتر نہیں کہہ سکتا۔

دلکش ✿ پاکستان میں ایک قلمکار کو کس طرح دیکھا جاتا ہے؟

نواب صاحب ✿ لکھنے پڑھنے والوں کی محفل میں جاؤ تو کس حد تک پذیرائی ہوتی ہے۔ [illegible] کاروباری حلقوں میں جاؤ تو کہا جاتا ہے۔ ''اچھا تو لکھنے کا کام کرتے ہو'' ان کے ذہنوں میں یہ بات ہوتی ہے۔ یا روپیہ لکھتا ہوگا؟ کیا کماتا ہوگا اور کیسے بیوی بچوں کو کھلاتا ہوگا؟

ایک بار ڈاکٹر کے سامنے ایک شخص نے کہا۔ ''اچھا تو یہ ہوتا ہے مَنشی ہو۔'' دواؤں کی ایک کمپنی کے منیجر نے کہا۔ ''نواب صاحب! آپ کا بڑا نام سنا ہے۔ یہ زنانہ و مردانہ امراض کی دوائیں ہیں۔ بڑی زود اثر ہیں۔ بس ایک دعا کا کرنے والا اشتہار لکھ دیں۔'' اس نے اشتہار لکھنے کے سلسلے میں ایسی ایسی شرمناک تفصیلات بتائیں کہ میں چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ کیا کیا جا سکتا ہے؟ ایسے لوگوں میں اپنی اوقات معلوم ہو جاتی ہے۔

کوئی تیس برس پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں میں کہانی ریکارڈ نہیں کرتا تھا۔ اوپری جیب میں قلم رکھتا تھا۔ ایک کھیدار نے باتوں کے دوران میری جیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایسا قلم ہمارے پاس بھی ہے۔'' میں نے خوش ہو کر اسے دیکھا۔ اس نے کہا۔ ''اسی بڑے کام کی چیز ہے۔ ہم اس سے شلوار کے نیفے میں ناڑا ڈالتے ہیں۔''

مثالیں کافی ہیں۔ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ پاکستان میں قلمکار کو کس طرح دیکھا جاتا ہے!

دلکش ✿ ڈائجسٹوں میں چھپنے والا ادب آپ کی نظر میں کس اہمیت کا حامل ہے؟

نواب صاحب ✿ ڈائجسٹوں میں چھپنے والا ادب عوامی ہے۔ عوام کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ادبی رسالے بک اسٹالز پر پڑے گرد آلود ہوتے رہتے ہیں۔ اخبارات صبح کو تازہ اور شام کو باسی ہو جاتے ہیں۔ ایک ہمارے ڈائجسٹ ایسے ہیں جو کئی ماہ تک پڑھتے رہنے کے بعد بھی کتابوں اور رسالوں کے لنڈا بازار میں پہنچ کر تر و تازہ اور قابلِ فروخت رہتے ہیں۔ پڑھنے کے شوقین افراد دس بیس اور تیس برس پرانے ڈائجسٹوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ آپ نے کسی عاشق کو محبوب کی تلاش میں اس طرح گلیوں کی خاک چھانتے نہیں دیکھا ہوگا۔

دلکش ✿ کیا زندگی نے وہ سب دیا جس کی آپ نے خواہش کی یا کوشش کی؟

نواب صاحب ✿ زندگی تو بہت کچھ دیتی ہے۔ اور دے رہی ہے۔ مگر آج بھی ہر ایک خواہش پہ دم نکلتا ہے۔

دلکش ✿ اس موقع کے توسط سے آپ اپنے قارئین سے کیا کہیں گے؟

نواب صاحب: میں یہی کہوں گا کہ کتاب انسان کو خدا سے قریب رکھتی ہے۔ مطالعے کی اہمیت کو سمجھیں۔ حضرت محمد ﷺ اُمّی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کی سب سے عظیم اور آخری کتاب دی۔ آج ہم اُسی کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے کہانیوں کی صورت میں مختلف پیرائے سے دین اور دنیا کی عکاسی کرتے ہیں۔ کتاب اول ہے کتاب آخر ہے۔ یہ رہنمائی کے لئے تاقیامت ضروری رہے گی۔

دلکش ✿ ''دلکش'' کو کیسا پایا؟ اس میں بہتری کی کیا گنجائش ہے؟

نواب صاحب ✿ ہائے دلکش...! ہمارے اس گھرانے میں تین بچے اور دو بیٹیاں ہیں۔ (جنی جاسوسی، سسپنس، سرگزشت اور پاکیزہ و دلکش) چھوٹی بیٹی ہمیشہ لاڈلی ہوتی ہے۔ دل کھینچتی ہے۔ اسی لئے تو ''دلکش'' نام رکھا ہے۔ یہ ماہنامہ تو اپنی پیدائش کے پہلے دن سے ہی دوسروں کو چیلنج کرنے والے تیور دکھا رہا ہے۔ جانے آگے کیا گل کھلانے والا ہے؟ مہنگائی پڑھنے کے شوق کو مجروح کر رہی ہے۔ دن رات کام کرنے والوں کے پاس کتاب کو ہاتھ لگانے کا بھی وقت نہیں ہے۔ ہمارے قارئین پر الیکٹرونک میڈیا کے بھرپور حملے ہو رہے ہیں۔ ایسے ناموافق حالات میں ''دلکش'' نے جنم لیا ہے۔ میں اس کی جہادی قوت کا اندازہ لگا رہا ہوں۔ یہ ایک گریٹ فائٹر ہے۔ اس وقت میرے

سامنے "دلکش اپریل 2006ء" کا پہلا شمارہ اور "دسمبر 2007ء" کا تازہ ترین شمارہ رکھا ہوا ہے۔ میں ان کا موازنہ کر چکا ہوں۔ اس نومولود کو دو برسوں میں پاؤں پاؤں چلنا چاہئے تھا۔ مگر یہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا بدترین حالات کو پھونکوں میں اُڑا رہا ہے۔

رسالہ خواہ کتنا ہی بہتر ہو۔ اس کے بعد بھی بہتری کی گنجائش نکلتی رہتی ہے۔ آپ کوششیں جاری رکھیں۔ انشاء اللہ اسے خوب سے خوب تر بناتی رہیں گی۔

دلکش: سسپنس ڈائجسٹ سے آپ کی پہچان ہے یا آپ کی تحریریں اس کی پہچان ہیں؟

نواب صاحب: ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ ویسے سسپنس نے پہلے اپنے اندر جگہ دی پھر اس کے دروازے پر میرے نام کی تختی لگی۔

دلکش: نواب صاحب کافی سیر حاصل باتیں ہوئیں۔ اب کچھ محبت، عشق اور پیار کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیجیے؟ محبت کیا ہے؟ کیا اس کی اقسام ہوتی ہیں اگر ہیں تو کون کونسی.....؟

نواب صاحب: میں نے زندگی میں دو کام تسلسل سے کئے۔ لکھتا رہا..... لکھتا ہی آ رہا ہوں۔ عشق کرتا رہا..... کرتا ہی آ رہا ہوں۔ مجھے عشق ہے، پھولوں سے، رنگوں سے، خوشبوؤں سے، حسین چہروں سے، اجنتا اور ایلورا کی مورتیوں سے اور دیوداسیوں کی دلربا اداؤں سے۔ مجھے محبت ہے ان لوگوں سے جو زندگی کے پل صراط پر چلتے ہیں اور ڈگمگاتے نہیں ہیں۔ مجھے پیار ہے ان معصوم بچوں سے جو کسی جرم کے بغیر جیل کی چار دیواری میں قیدی ماؤں کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔ میں نے بوسنیا کی ایک معصوم سی بچی کو والدین کی لاشوں کے پاس جلتے ہوئے گھر کے سامنے روتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ سہارے کے لئے ہاتھ بڑھا رہی تھی۔ میرا جذبہ عشق و محبت اور سارا پیار روتا اور سسکتا رہ گیا۔ کیونکہ میں تصویر کے اس ننھے سے ہاتھ کو تھام نہیں سکتا تھا۔ ہمیں جن سے پیار کرنا چاہئے ان سے کر نہیں پاتے۔

میں نے خواہ مخواہ جذباتی ہو کر ایسی باتیں کہہ دیں۔ آپ تو رومانویت کے حوالے سے پیار، محبت اور عشق کا احوال پوچھ رہی ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے، پیار معصوم ہوتا ہے۔ بچوں سے کیا جاتا ہے۔ محبت تیکھی ہوتی ہے۔ جوانی کی دھوپ میں پہنچتی ہے۔ جب دھوپ تیز ہو جاتی ہے۔ سورج سوا نیزے پر آ جاتا ہے تب عشق سر چڑھ کر بولتا ہے۔

آج کے دور میں محبت کی تین اقسام ہیں۔ (۱) پیار بچوں سے..... (۲) محبت گھر والی سے..... (۳) اور عشق باہر والی سے۔

دلکش: عشق، محبت یا پیار جدا جدا کیفیات یا جذبات ہیں؟

نواب صاحب: جو جوابات میں نے دیئے ہیں۔ ان سے نتیجہ اخذ کریں۔ پیار، محبت اور عشق حالات کے تابع ہیں۔ عشق کے لئے سچائی لازمی ہے۔ محبت لین دین سے بڑھتی ہے اور پیار صرف اور صرف ماں کا دودھ اور اس کی لوری ہے۔ یہی جدا جدا کیفیات اور جذبات ہیں۔

دلکش: انسان بنیادی طور پر جمالیاتی ذوق رکھتا ہے۔ کیا وہ بظاہر بدنما شے میں جمال تلاش کر سکتا ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے؟

نواب صاحب: حسن نظاروں میں نہیں ہوتا۔ حسن نظر میں ہوتا ہے۔ ایک شے بظاہر بدنما ہوتی ہے۔ باطن میں ویسی ہی ہو یہ لازمی نہیں ہے۔ پھٹی پرانی گدڑی میں لعل اور کوئلے کی کان میں ہیرے جگمگاتے ہیں۔ دلدل میں جا کر تو کیچڑ میں کنول کا حسن ملے گا۔

دلکش: یہ حقیقت ہے کہ حسن و جمال، تازگی و تابانی اگرچہ دیرپا نہیں مگر اس کی باتیں بہت ہوتی ہیں اور اسی کو سراہا جاتا ہے۔ خوشیاں انسان دائمی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ غم کو وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا مگر مسرت کے تصور سے ہی شادماں ہو جاتا ہے۔ یہ فلسفہ کیسا ہے؟

نواب صاحب: حسن تو پھول ہے۔ مرجھائے گا۔ تازگی [illegible] ہوتی ہے اور تابانی [illegible] بجھ جاتی ہے۔ تب ہی ان کی طلب بڑھتی ہے اور ہم دور جانے والی صدائے بازگشت کی طرح انہیں واپس بلاتے ہیں۔ یہ غم [illegible] قیمت بڑھانے والا فلسفہ ہے۔ خوشیاں دائمی ہوں گی تو انسان یکسانیت سے اکتا جائے گا۔ درمیان میں رنج و غم کا وقفہ آئے تو لوٹ کر آنے والی خوشیاں پہلے سے زیادہ مسرت آگیں لگتی ہیں۔ خوشیاں انسان کی کوششوں سے آتی ہیں اور غم کوشش کے بغیر چلا آتا ہے۔ آدمی غم کو سوچنا چاہے نہ چاہے یہ پہیے کی گردش کی طرح پلٹ پلٹ کر آتا رہے گا۔ جب محبوب کا اور شادمانیوں کا وصال نہ ہو تب ہی ہم تصورات سے بہلتے ہیں۔

دلکش: اگرچہ آپ سے بہت دلچسپ گفتگو ہو رہی ہے مگر آپ کی ناسازی طبع بھی نظر میں ہے۔ سو نواب صاحب! اپنے دلکش قارئین کے لئے کوئی پیغام دیجیے؟

نواب صاحب: میرا پیغام یہ ہے کہ علم قلم کی نوک سے آتا ہے۔ "لکھو..... اور علم کی وسعت دیکھو" علم زبان کی نوک پر آتا ہے۔ "پڑھو..... اور دوسروں کو بھی پڑھاؤ"

میں اپنے قارئین سے عرض کروں گا کہ ہم لکھ رہے ہیں۔ آپ پڑھنے کی لگن برقرار رکھیں۔ اپنے عزیزوں اور دوست احباب کو بھی پڑھنے کی اہمیت سمجھائیں۔ یوں ہمارے تعلقات مستحکم ہوں گے اور ہم ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم رہیں گے۔

دلکش: آج کے رائٹرز آپ کی نظر میں کیسا لکھ رہے ہیں؟ ان کو اپنے تجربوں کی روشنی میں کوئی گائیڈ لائن دینا چاہیں گے؟

نواب صاحب: ہمارے رائٹرز خوب لکھ رہے ہیں۔ انہیں اس انٹرویو سے مکمل گائیڈ لائن ملے گی۔

دلکش: ایک رائٹر کے لئے دنیاوی ڈگریاں حاصل کرنے کی کتنی اہمیت ہے؟

نواب صاحب: میں کالج اور یونیورسٹی کی ڈگریوں کو نہیں جانتا۔ میں نے تو صرف دس جماعتیں پاس کی ہیں۔ ہماری یہ دنیا وسیع و عریض یونیورسٹی ہے۔ میں نے اسی یونیورسٹی سے مطالعات، مشاہدات اور تجربات کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔

دلکش: ادارے کے لئے آپ کا اظہار خیال، رائے، پیغام اور نیک خواہشات؟

نواب صاحب: یا اللہ! توبہ ہے توبہ..... یہ آپ نے سوالات کئے ہیں۔ بخدا پسینے چھڑا دیئے۔ میری گھر والی نے بھی ایسی کلاس نہیں لی جیسی آپ لے رہی ہیں۔ میرا خیال ہے یوم حساب اللہ میاں بھی اتنا حساب نہیں پوچھیں گے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی سوال ہے؟ (ارے نہیں نواب صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ کہ دلکش قارئین کے لیے وقت نکالا اور سیر حاصل گفتگو کی)

اس ادارے کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کروں گا تو وہ نیک خواہشات میرے اپنے لئے ہی ہوں گی۔ ادارے کو دعائیں دوں گا تو دعاؤں کو شرفِ قبولیت اور اس کا ثمر مجھے بھی ملے گا۔ یا اللہ! اس ادارے کو تابندگی و پائندگی عطا فرما۔ آمین۔ تمام قارئین، قلمکاروں اور کارکنانِ ادارہ کے لیے بھی میری طرف سے نیک خواہشات اور خلوص دعائیں حاضر ہیں۔

(قارئین کرام! اگرچہ ہم نواب صاحب سے مزید گفتگو کرنا چاہ رہے تھے مگر انٹرویو کی طوالت بھی پیشِ نظر تھی۔ سو ہمیں یہ سلسلہ موقوف کرنا پڑا۔ یہ معلوماتی گفتگو آپ کو کیسی لگی اس بارے میں اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ "زہے نصیب" کا منفرد سلسلہ دلکش کی پہچان ہے)

☆